پروفیسر امین اللہ وثیر

عربوں کا اندلس

جزیرۂ اندلس یورپ کے جنوب مغربی حصے کی طرف واقع ہے۔ اس کے اور افریقہ کے درمیان صرف بارہ میل کا سمندر حائل ہے جو بحرِ ظلمات (بحرِ محیط) کو بحرِ متوسط سے ملاتا ہے اور جسے آبنائے طارق کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اندلس کے مشرق کی جانب بحرِ متوسط شمال کی طرف جبلِ پرتانات (جو فرانس کو اندلس سے جُدا کرتا ہے) اور بے آف بسکے مغرب میں پرتگال اور بحرِ ظلمات اور جنوبی جانب افریقہ واقع ہیں۔

قدیم تاریخ

اسپین کے پُرانے باشندے سلیٹ قوم سے تھے جن کا اصلی وطن فرانس تھا۔ اُن کے بعد مختلف اقوام مثلاً آئی بیری، فنیقی، قرطاجنی وغیرہم اس ملک میں داخل ہوئیں۔ ۳۰۰ ق م میں رومی حملہ آور ہوئے اور سارے ملک پران کا تسلط قائم ہوگیا۔ ان کے بعد شمالی جانب سے وحشی اقوام نے یلغار کی اور اس ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد ایک اور بُت پرست قوم گاتھ نامی کو خاصہ عروج حاصل ہوا۔ اس عہد کی تصویر لیبان نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

"اس وقت عامہ خلائق غلامی کی حالت میں تھی۔ لوگ ہر ایک ملک گیر کی اطاعت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ بادشاہوں کے متوسلین اور حواریین میں ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جنھوں نے ملک کو ضعیف اور کمزور بنا رکھا تھا۔ تمدنی تفریقیں، اندرونی نااتفاقیاں فوجی جوش کا نہ ہونا، رعایا کی بے توجہی اور ان کا بالکل بندۂ زراعت و فلاحت ہونا ـــــ یہ حالت تھی گاتھوں کی سلطنت کی جس وقت عرب اس ملک میں داخل ہوئے۔"

ایک اور مشہور مصنف ایس۔ پی سکاٹ لکھتا ہے:

"تاریخ اندلس غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی تھی۔ کلیسا کا رُعب دربارِ شاہی پر

چھایا ہوا تھا۔ گاتھ بادشاہ اپنے آبا کی خوبیاں ختم کر چکے تھے۔ وہ بڑے ظالم تھے۔ نہ مہمان نوازی کو قائم رکھا نہ حقوق دوستی کو۔ درباروں میں عیش و نشاط اور شہوانیت کا زور تھا۔ ان خرابیوں سے گرجاؤں کی قربان گاہیں تک غیر محفوظ تھیں۔ چھوٹے بڑے پادری خود ان برائیوں میں مبتلا تھے۔ اُن کے گھروں کی شرابیں ضرب المثل تھیں۔ یہ مقامات پری خانے تھے۔ حسن و جمال یہیں ملتا تھا۔ یہ لوگ بڑے سازشی اور گناہوں کا ڈھیر تھے مزارعین کی حالت بڑی پست تھی۔ اور اولاد در اولاد ایک ہی جاگیردار کے ہو رہتے۔ اُن کی حالت غلاموں کی سی تھی۔ یہودی از روئے قانون دائمی غلام تھے۔ اُن کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ کونسی ایسی سختی تھی جو اُن پر روا نہ رکھی جاتی ہو۔"

فتحِ اندلس

یہ تھی حالتِ زار اس ملک کی جب مسلمانوں نے اس سرزمین کو فتح کیا اور اپنے بابرکت قدم اس پر رکھے۔ اس فتح کے اسباب میں سے ایک بڑا اہم سبب اور ساتھ ہی ساتھ بڑا عبرتناک بھی یہ ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اندلس کے لوگوں نے راڈرک (رزریق) کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ کچھ عرصہ تک تو اس نے متانت اور سنجیدگی سے کام لیا لیکن آگے چل کر وہ سست اور کاہل بن گیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ امرا کی بہو بیٹیوں کو تاکنا اس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔

کونٹ جولین گورنر سوطا کی لڑکی فلورنڈا دار السلطنت طلیطلہ میں بغرض تحصیل علم آئی ہوئی تھی۔ یہ بدفطرت انسان اسے اپنے تصرف میں لے آیا اور باعصمت لڑکی کو رسوا کیا۔ جولین کو اس خبر نے بڑا متاثر کیا اور وہ غم و غصہ سے بھر گیا۔ اس نے بدلہ لینے کے لیے شمالی افریقہ کے عرب گورنر موسیٰ بن نصیر سے ملاقات کی اور اسے اندلس آنے کی دعوت دی۔ موسیٰ نے ولید بن عبدالملک اموی کی اجازت سے اپنے جرنیل طارق بن زیاد کو جولائی ۷۱۰ء، ۹۱ھ میں عربوں اور بربروں کی مشترکہ فوج جس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی دے کر ہسپانیہ روانہ کیا۔ وہ جبل فتح پر اترا۔ یہ مقام آجکل جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے راڈرک کو باربیٹ کے مقام پر شکست دی اور پھر آہستہ آہستہ سارے ملک پر فتح حاصل کر لی

مسلمانوں کے یہاں پہنچتے ہی ملک کی حالت بدل گئی۔ انھوں نے عام لوگوں سے نیاضانہ

سلوک کیا۔ اپنے عدل و انصاف اور مراحم خسروانہ کی بدولت رعایا کے دلوں میں بڑی جلدی گھر کر لیا۔ انھوں نے ذمیوں اور زیر دستوں کی حفاظت کی اور یہودیوں کی نکبت و فلاکت کو دور کیا۔ اس کا بیان لیبانی کی زبانی سنیے:

"عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انھوں نے شام و مصر میں (مفتوحین کے ساتھ) کیا تھا۔ ان کے مال و دولت ان کے کلیسے اور اُن کے قوانین انھیں دیے۔ اپنے ہم قوم حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق عطا کیے۔ ایک سالانہ جزیہ اُن پر لگایا گیا جو چند شرائط پر ملزوم تھا۔ امرا کے لیے ایک دینار سرخ اور عامہ خلائق کے لیے نصف دینار۔ یہ شرائط اس قدر نرم تھیں کہ رعایا نے بلا تکرار انھیں قبول کر لیا اور عربوں کو بجز چند بڑے بڑے جاگیرداروں کے کسی سے مقابلے کی ضرورت نہ رہی"۔

"دلیسی گاتھوں کے وقت میں اندلس کی حالت زیادہ سرسبزی پر نہ تھی اور ان کا تمدن بھی ایک نیم وحشی قوم کا تمدن تھا۔ فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کی۔ ایک صدی کے اندر اندر مزروعہ زمینیں کاشت کی جانے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہوگئیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ اس کے بعد انھوں نے علم و ادب کی طرف توجہ کی یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے، اور عالی شان دارالعلوم قائم کیے جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے"۔

عربوں کا ہسپانیہ

نویں اور گیارھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہمارے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی زمانے میں اندلس سے عرب ثقافت نے ازمنۂ وسطیٰ کے ابتدائی دور میں عیسائی ثقافت میں نفوذ کیا اور اسی کی بدولت بعد میں یورپ کو علوم و فنون کی روشنی نصیب ہوئی۔ موسیو لیبان کا کہنا ہے:

"چند صدیوں میں عربوں نے اندلس کے ملک کو مالی اور علمی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ تغیر محض مالی اور علمی نہ تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا۔ انھوں نے اقوام نصاریٰ کو ایک بے بہا خصلت انسانی سکھائی یا اقلاً سکھانے کا ارادہ کیا۔ یعنی مذاہب مخالف کی رواداری

مفتوحہ اقوام کے ساتھ اُن کا برتاؤ اس قدر نرم تھا کہ انھوں نے اساقفہ کو مذہبی مجالس منعقد کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ حکومت عرب کے زمانے میں بکثرت کلیساؤں کا تعمیر ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مفتوحہ اقوام کے مذہب کی کس قدر عزت کرتے تھے۔ یورپ کے کل ممالک میں ایک اندلس ہی وہ ملک تھا جہاں یہودیوں کو امن و امان حاصل تھا۔

عرب شاہانِ اندلس علوم عقلیہ و نقلیہ، سائنس اور فلسفہ میں اپنے معاصرین سے بہت ممتاز تھے بلکہ شانِ علم و ادب میں اپنے آبا، خلفائے امویہ بلکہ خلفاء عباسیہ سے چند قدم آگے ہی تھے جس زمانے میں اندلس میں اسلامی حکومت اپنے شباب پر تھی ان دنوں جہالت عیب سمجھی جاتی تھی۔ پروفیسر حتّی کا کہنا ہے:

"اندلس میں تہذیب و ثقافت اتنی بلند تھی کہ ممتاز ڈچ عالم ڈوزی نے جوش میں آکر یہاں تک کہہ دیا کہ اندلس میں تقریباً ہر شخص لکھ پڑھ سکتا تھا۔"

ان بادشاہوں کے دربار ہمیشہ اہل علم و فضل سے بھرے رہتے تھے یہ بادشاہ خود بھی شعرا اور علما و نقاد کی صفوں میں گنے جاتے تھے۔ قرطبہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں میں سارے یورپ کے طلبا تحصیل علم کی خاطر آیا کرتے تھے۔ ان سلاطین کے عہد میں بے انتہا علمی و ادبی اور فنی ترقی ہوئی۔ ہر فن پر بے شمار ضخیم کتابیں لکھی گئیں اور امرا نے عظیم الشان کتب خانے قائم کیے۔ میریا کالیکیٹ لکھتا ہے:

"جب خلفائے امویہ کی سلطنت اسپین میں قرار پائی تو وہاں کے باشندوں کے اوضاع و اخلاق درست ہوگئے۔ خاندان بنی امیہ اس ملک میں اپنے ہمراہ علوم و فنون کا مذاق لایا۔ یہاں زیب و زینت صرف مساجد و محلات تک محدود نہ تھی بلکہ عام آدمیوں کے مکانات میں بھی محلات کی طرح آرام دہ چیزیں ہوتی تھیں۔ لوگ اپنے مکانات میں حوض، فوارے، باغات اور کتب خانے بہت کچھ صرف کرکے بنواتے تھے۔ اس ملک میں بزم ضیافت بڑی عالی شان اور پُر رونق ہوتی تھی۔ اس کا اصل مقصد و منشا صرف تفریح اور دل لگی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ محفل شاعری اور علم موسیقی کا مشغلہ ہوتی علما اور فضلا میں گفتگو اور بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ نوجوان طالب علم مختلف شہروں سے اسپین کے مشرقی طرز کے مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم پانے آتے تھے۔ ان مدرسوں میں عربی زبان میں علم فقہ، ہیئت، ہندسہ

طب اور شاعری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جب یہ طالب علم اپنے اپنے علاقوں کو واپس لوٹتے تھے، تو وہاں جا کر نئے مدارس قائم کرتے۔"

تہذیب و تمدن

اندلس کے عربوں کے اخلاق، عادات، طرزِ رہائش، پسندیدگی حسن فطرت، ان کی صفات حسنہ اور خوبیوں کے بارے میں مؤرخین ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔ الادب الاندلسی کا مصنف احمد بلافریج لکھتا ہے :

"عربوں کا اصلی مسکن ـــــ ریگستان عرب ایک بے آب وگیاہ قطعۂ ارضی تھا۔ یہاں عیش و عشرت لہو و لعب اور طرب و نشاط کے فراواں سامان مفقود تھے۔ یہاں لق و دق صحراؤں، ریت کے بڑے بڑے تودوں، کھجور کے درختوں، اونٹ، گھوڑے، کھلی فضا، صبح و شام، تمازتِ آفتاب، رات کے وقت چاند اور ستارے اور ـــــ عورت ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی شے باعثِ تسکین خاطر نہ تھی۔ اسی لیے ایک عرب شاعر کہہ گیا ہے:-

وما العیش الا نومة و تبطح   و تمر علی رأس النخیل و ماء

یہ تھی قبل از اسلام عرب کی کل کائنات اور سامانِ زندگی۔ لیکن طلوعِ اسلام کے بعد عربوں کے قدم دور دراز کے عظیم الشان خوب صورت سرسبز شاداب اور زرخیز علاقوں تک پہنچے اور پھر جب اندلس ان کے زیرِ نگیں ہوا تو وہ ایشیا سے یورپ تک منتقل ہوئے۔ انھوں نے یہاں حسن و جمالِ فطرت کو نکھرا ہوا پایا۔ فطرت اپنی خوب صورت آغوش وا کیے کھڑی تھی۔ اس کے پاس رنگا رنگ کے حسین و جمیل مناظر موجود تھے۔ اس جمال و رعنائی سے بھرپور جزیرے ہیں، دریا، فلک بوس پہاڑ، جزیروں کے چھوٹے چھوٹے خوب صورت قطعے ناز و ادا سے آہستہ آہستہ بہتی نہریں، لمبے چوڑے سرسبز و شاداب میدان، آسمان پر کشتی کی طرح تیرتے ہوئے بادل کے ٹکڑے بھینی بھینی خوشبو سے مہکتے ہوئے باغات اور چمنستان اور سب سے بڑھ کر پیکرِ حسن و نزاکت حسین و بے خود یونانی دوشیزائیں اس ملک کی خوب صورتی کو دوبالا کر رہی تھیں۔ یہاں آ کر وہ بدویت سے حضارت کی زندگی میں پہنچ گئے۔ پھر خود انھوں نے اس خوب صورت سرزمین کو اپنی ہمت و کوشش سے جنتِ خلد

کا نمونہ بنا دیا۔ ان کی ملاقات نئے نئے قبائل اور اقوام سے ہوتی۔ نئی سرزمین اور نئے لوگوں سے میل جول کا قدرتی اور بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کا ادب و شعر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ لوگ مناظرِ فطرت وصفِ بساتین و باغات، محلات و عمارات اور جذبات و احساساتِ انسانی کی صحیح اور مکمل منظر کشی، اثمار و اشجار، انہار و بحور، مجالس طرب و غنا، طلوع و غروب آفتاب، شفق و سحر کی تابانی، بارش، بادل، چاندنی، رنج و غم، عیش و مسرت، مصائب و آلام دنیوی، واقعاتِ تاریخیہ و حربیہ وغیرہ کی تعریف کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ ہر چیز کو بڑی سادگی اور پُر تاثر انداز سے بیان کر سکتے تھے۔ اسی لیے اُن کے اشعار میں شیریں الفاظ، رفعتِ اسلوب اور رونقِ صنعت بکمال درجہ موجود ہیں۔ المقری کا کہنا ہے:

"جب وہ کسی باغ کا ذکر رہے ہوں تو تم اس کی نرم و نازک شاخوں کی لچک محسوس کر سکتے ہو۔ اس کے گلاب و یاسمن کی تر و تازہ خوشبو سونگھ سکتے ہو۔ تم اس کے میٹھے میٹھے پھلوں سے لذت اندوز ہو سکتے اور ان کے حسن سے اپنی نگاہوں کو تازگی بخش سکتے ہو۔ اگر وہ دریا کی تعریف میں مگن ہوں تو تم اس کی بے پناہ موجوں کے پیچ و تاب اور جوشِ روانی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہو۔ وہ لوگ تمھیں اس کے مد و جزر کے منظر سے پوری طرح آگاہ کر دیں گے۔ وہ دریا کے سینے میں محفوظ موتی اور ہیرے تمھیں دکھلا سکیں گے۔"

زبان اور شعر و ادب

اندلس میں عربوں کے مختلف قبائل اور پھر اُن کی بے شمار شاخیں وقتاً فوقتاً کثیر تعداد میں داخل ہوئیں۔ اس کا اثر اندلس کی زبان و ادب پر بھی پڑا۔ یہاں تک کہ جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے وہ بھی عربی کی تعلیم کے محتاج تھے۔ اسی لیے ہم آج بھی ہسپانوی زبان میں بہت سے ایسے الفاظ پاتے ہیں جن کی اصل عربی ہے۔

اندلسیوں کے ہاں قوت محاکات و تخیل اور مزاح و فکاہات کی بڑی فراوانی اور افراط تھی۔ فنونِ شعریہ میں سے منظوماتِ تاریخیہ اور قصیدہ نگاری میں بھی وہ مشرق سے بازی لے گئے۔ یہ وہ ملک تھا جہاں عشق و محبت اور مرد و زن کے اختلاط کے بے شمار مواقع میسر تھے۔ موسیقی اور آلاتِ طرب و سرود کی کثرت تھی۔ حُسن و جمال اور نزاکت و رعنائی کی فراوانی تھی اور قدرتی مناظر نگاہوں کو دعوتِ نظارہ

دیتے تھے۔ اسی لیے عربوں کے اندلس میں شعر گوئی اور ادب عالیہ کے بیش بہا شاہکار پائے جاتے ہیں کوئی محفل، کوئی ہدیہ، کوئی پیغام اور کوئی ورق شعر سے خالی نہ تھا۔

اندلسیوں سے زیادہ شعر گوئی میں منصب اعلیٰ اور کسے حاصل ہو سکتا ہے ان کے وطن میں سرسبز و شاداب فردوس نظر باغات۔ وسیع و عریض مرغزار، گھنے درختوں کے پھیلے ہوئے سائے زیتون اور انجیر کے دلربا درخت، بے اندازہ مال و دولت اور رزق کی وسعت، عیش و عشرت کی فراوانی، بہترین قسم کی بری اور بحری سواریاں، بلند و بالا خوب صورت عمارتیں اور عالی شان محلات موجود تھے اور یہی وہ اسباب تھے جنھوں نے اندلس کے عربوں کو "اکثر خلق اللہ شعرا" بنا دیا تھا۔

اس حیاتِ جدیدہ اور مرئیات جمیلہ کا اثر معانی و مطالب شعر، سہولت و رقت الفاظ، اسلوبِ بیان اور طرزِ ادا میں حلاوت و شیرینی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خوبصورت الفاظ و معانی، حسنِ فطرت کی منظر کشی، صنعتِ لفظی اور ان اوصاف کے ذریعے اُن کا ہمارے دل و روح کو بیدار کر دینا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن لوگوں نے ادبیات عالیہ کو اتنے خوب صورت اور نزاکت سے بھرپور خیالی اور شعری وجود عطا کیے جن کا احصاء ممکن نہیں۔ ان کا شعر، دقتِ الفاظ اور تصورات مشکلہ سے بعید تھا۔ وہ اپنے اشعار میں حکم و امثال اور حقائق و علمیت عامہ کی باتیں کرتے۔ وہ ایسے شعرا کو پسند کرتے تھے جو ادیب اور عاقل ہوں۔ فلسفی اور منطقی قسم کے شعرا کی ان کی نگاہوں میں کچھ زیادہ قدر و قیمت نہ تھی۔

اندلسی عربوں کی شاعری پر اُن کی نثر کی مانند طبیعت و فطرت کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ غرابتِ الفاظ، تعقید لفظی و معنوی، مشکل پسندی، اسلوبِ بیان کی پیچیدگی اور طرزِ نگارش میں دقت —— ان تمام ادبی برائیوں سے قطعاً ناآشنا تھے۔ اُن کے ہاں مغلق اور دقیق عبارتیں نہ ہوتیں بلکہ وہ مفصل عبارات اور جملوں کے ذریعے اپنے ما فی الضمیر کو اچھی طرح بڑی وضاحت کے ساتھ، قاری کے دل و دماغ تک پہنچانے کی کوشش کرتے۔

اندلسی عرب ذکاوت و بداہت میں بھی بڑے مشہور اور ماہر تھے۔ اُن میں طلب علم اور حرص تعلیم و فن بہت زیادہ تھی۔ اندلس کے بہت سے علما نے اس مقصد عظیم کی خاطر مشرق کی طرف بھی رحلت کی۔ اُن کی یہ سبقت فی العلم باوجود داخلی شورشوں اور خارجی لڑائیوں کے تادم

آخر قائم رہی۔

پروفیسر حتّیٰ کا کہنا ہے:

"اندلس پر اسلامی غلبے کی پہلی صدیوں میں مشرقی ثقافت ایک اعلیٰ تر سطح سے داخل ہوئی۔ یہاں کے علما علم کی تلاش میں مصر، شام، ایران بلکہ قفقاز اور چین تک گئے۔ بارھویں صدی عیسوی میں یہ لہر سارے یورپ میں بہہ نکلی۔"

قصیدے کا وہی پرانا طریقہ قائم رہا جو مشرق میں رائج تھا یعنی سب سے پہلے تشبیب اور غزلیہ اشعار اور اپنی حسین و جمیل مست و سرشار اور بے خود سراپا بہار محبوبہ کا تذکرہ ـــــ عورت ان لوگوں کی نظروں میں کائنات ہستی کی سب سے بہتر اور سب سے اچھی مظہر حسن و جمال تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اندلسیوں نے پرانی قیود کو توڑ پھینکا۔ اگرچہ عام طور سے انھوں نے عربی اسلوب بیان اور عربی طرزِ تحریر کو اختیار کیے رکھا۔ ان کے ہاں طبیعت کی صفائی، خفت روح اور ارتقائے ادب کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ ان کی نزاکتِ طبع نے سترہ اوزانِ شعری کو اپنے لیے بارِ گراں سمجھا۔ اسی لیے انھوں نے خیال کیا کہ ان اوزان و قوافی کا اختراع جو نغمے اور سرود کے موافق ہوں بہت آسان ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ الحانِ موسیقی ایسے وضع کیے جائیں جو وزنِ شعری پر پورے اترتے ہوں یہی سبب ہے کہ موسیقی و غنا ان کے شعری اوزان کی اساس و اصل قرار پائی۔ چاہے وہ شعر کی بحروں پر پورا اترے یا نہ۔

پروفیسر فلپ حتی کا بیان اس باب میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا کہنا ہے:

"اسلامی اندلس کے کارنامے قدیم یورپ کی ذہنی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے ـــــ عربی زبان نے یورپی ادب پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ اسلوب کو بدلنے میں مدد دی اور مغربی تخیل قدامت کی زنجیروں سے آزاد ہونے لگا۔ ہسپانوی ادب کی تخیل پسندی عربوں کی تقلید کا پتہ دیتی ہے۔ الفاظ کے حسن سے لطف اندوزی عربی بولنے والی قوموں کی خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت اندلس میں بھی نمایاں ہوئی۔ زیادہ تر حکمرانوں کے درباروں میں ملک الشعرا موجود ہوتے تھے۔ یہ شاعر ہمیشہ حکمران کے ساتھ رہتا۔ اشبیلیہ کو فخر تھا کہ وہاں اچھے شاعروں کی تعداد دوسرے شہروں کے مقابلہ میں زیادہ تھی لیکن یہ شعلہ بہت پہلے قرطبہ میں روشن ہو چکا

روایت اور رسم کی زنجیروں سے کچھ آزادی پا کر اندلس کی عربی شاعری نے نئے نئے عروضی اسالیب پیدا کیے اور ان میں جمالِ فطرت کا تقریباً ویسا ہی تاثر پیدا ہو گیا جیسا زمانۂ حاضر میں موجود ہے اس کی مثنویوں اور محبت کے گیتوں میں ایک ایسا رومانی احساس نمایاں تھا جو قدیم شجاعت کی یاد دلاتا ہے۔ موسیقی اور نغمے نے ہر جگہ شاعری سے اتحاد کیا اور اسے قائم رکھا۔ عربی شاعری نے بالعموم اور اس کے تغزلی حصّے نے بالخصوص مقامی عیسائیوں کے دلوں کو موہ لیا اور آپس کی موافقت میں یہ ایک بڑا عنصر ثابت ہوا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس میں افلاطونی محبت کے ایک معینہ ادبی منصوبے کا آغاز عربی شاعری کا ایک ممتاز کارنامہ ہے۔ جنوبی فرانس میں اولین دیہاتی شاعر گیارھویں صدی کے اواخر تک دھڑکتی ہوئی محبت سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ ان کا تخیل تصور کی دولت سے مالا مال تھا۔ بارھویں صدی میں جو مغنی اُبھرے انھوں نے اپنے جنوبی ہم عصروں کی تقلید کی۔"

فنونِ لطیفہ

فنونِ لطیفہ کو عربوں نے نظر انداز نہیں کیا۔ سنگ تراشی اور نقاشی میں ہسپانیہ کے عرب اپنے عیسائی ہمسایوں سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ الحمرا میں اس وقت تک جو کچھ بچا ہوا ہے اس سے ان دونوں فنون میں ان کی دسترس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عربوں کے ہسپانیہ کے ہر شہر میں فنونِ لطیفہ کو بڑی تدریج و ترقی ہوئی۔ موسیقی کو زریاب کی بدولت عام مقبولیت کا درجہ حاصل ہوا اور مشرقی موسیقی کو مغربی یورپ میں فروغ دیا گیا۔ زریاب کو شاہی محلات اور شہر کے عام باشندوں میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ عربوں کے ہسپانیہ میں موسیقی کا رواج اور شوق و ذوق اسی زمانے سے بڑھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ یہ فن ان کی قومی خصوصیت بن گیا۔ زریاب ہی نے سب سے پہلے اندلس میں شیشے کا جام استعمال کیا۔ اور فرشِ زمین پر چاندنی بچھانے کا اہتمام کیا۔ لوگوں کو سپید لباس پہننا سکھایا۔ غنا و سرود کا اثر اندلس کی عربی شاعری پر خاصا نمایاں ہے۔ وہاں کے شاعرانہ احساسات و جذبات اور محبت و اُلفت کے نازک تصورات کے پرورش پانے کے اسباب میں سے ایک بڑا اور اہم سبب غنا بھی ہے۔

عہدِ زوال میں "طاؤس و رباب" سے دل بہلانے کا مشغلہ اندلس میں بھی اپنا یا گیا۔ چنانچہ یہاں کے عرب غناء و طرب کے بہت دلدادہ تھے اور اس کے دل و جان سے مفتون و شیفتہ امراء و رؤسا کے محلات میں حُسنِ صورت اور حسین سیرت سے مزین دوشیزائیں کنیزوں کی صورت میں ہوا کرتی تھیں اور رقص و سرود کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ فلپ حتی کا کہنا ہے :

"زوال غرناطہ کے بعد بھی مُدّت تک مسلمان رقاص، موسیقار اور مغنی ہسپانیہ اور پرتگال کے مقامی باشندوں کو محظوظ کرتے رہے۔ تازہ تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی اور اس کے بعد اسپین بلکہ سارے مغربی یورپ کے غزلیاتی اور تاریخی رومان کی طرح عام موسیقی کی ابتداء اندلسی اور عربی تھی۔"

صنعتی ترقی

عربوں نے اندلس میں محض شعروشاعری اور فنونِ لطیفہ ہی میں مہارت حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوہا، سونا، چاندی اور دیگر معدنیات کی کانیں بھی دریافت کی گئیں۔ اندلس کے سمندر سے موتی اور مرجان نکالے جانے لگے۔ یہاں کے لوگوں نے حربیہ اور ریشمینہ بافی میں کمال اور مہارتِ تامہ حاصل کر لی تھی حتی نے اس سلسلے میں عربوں کو حسبِ ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے :

"اندلس، خلافت کے دَور میں یورپ کے متمول ترین اور سب سے زیادہ گنجان آباد ملکوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہاں چمڑے کی رنگائی، پارچہ بافی، نقاشی، اون اور ریشم بننے کی صنعت، سونے اور چاندی کی کانوں، لوہا، فولاد اور دوسری دھاتیں، صنعت و حرفت، زرعی ترقی اور باغات کی بڑی کثرت تھی۔ یہاں نہریں کھودی گئیں اور ڈاک کا بہترین انتظام کیا گیا۔"

تعلیمِ نسواں

عربوں کے ہسپانیہ میں تقریباً ہر فرد بشر تعلیم یافتہ ہوتا تھا۔ اس ملک میں صنفِ نازک کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور وہ ہمیں ہر میدان میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی نظر آتی ہیں۔ شہزادہ احمد کی بیٹی عائشہ کو شعروشاعری میں کمال حاصل تھا۔ وہ فصیح و بلیغ خطیبہ بھی تھی۔ خاندان موحدین کی شہزادی ولیدہ خوبی جمال، حسنِ ذوق، شاعری اور علم بلاغت و بیان میں بڑی شہرت کی مالک تھی۔ ولیدہ مجالسِ ادبیہ اور مذاکراتِ علمیہ میں شریک ہوتی۔ ان محفلوں میں بڑے بڑے علما اور خطیب موجود ہوتے تھے۔ اشبیلیہ کی خاتون عفیفہ اور صفیہ بھی نظم کہنے میں کمال رکھتی تھیں۔

کوئی فن ایسا نہ تھا جو خواتینِ اندلس کی زد سے بچا ہو۔ اُمّ سعد قرطبہ کی محدثہ تھی۔ ایک اور خاتون لبانہ علم ہندسہ کی بڑی ماہر تھی۔ وہ الجبرا وغیرہ کے پیچیدہ اور مشکل سوالات باتوں باتوں میں حل کر دیتی تھی۔ زینب اور حمدہ علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ابن عباد "تحفۃ القدیم" میں لکھتا ہے:

"باوجود حسن وجمال نسوانی کے یہ عورتیں نامی گرامی علما کی مجلسوں میں شرکت کرتی تھیں اور عصمت وعفت کی دولت سے مالا مال تھیں۔ یہ بڑی امیر اور دولت مند خواتین تھیں"۔

ایک اور خاتون مریم بنت یعقوب الانصاریہ شاعری اور ادب میں ماہر تھی۔ ام الہنی قانون کا درس دیتی تھی۔ غرناطہ کی خواتین خوب صورت پیٹیاں، زرکار کپڑے اور رنگ برنگے طوق پہنتی تھیں۔ یہ لباس حد درجہ حسین اور خوش نما ہوتا تھا اور اس کی دلفریبی نظروں کو موہ لیتی تھی۔

المقری نے ایسی بے شمار عالم وفاضل خواتین کا ذکر کیا ہے اور ان کے اوصاف گنائے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب "نفح الطیب" میں "الادبیات من نساء الاندلس" کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل عورتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

ام سعد بنت عصام الحمیری المعروفہ بسعدونہ، حسانۃ التمیمیہ، ام العلاء بنت یوسف، ام العزیز الشریفہ ام الکرام بنت المعتصم العثانیہ، العروضیہ مولاۃ ابن غلبون، حفصہ، اعتماد جاریۃ المعتمد بنت عباد، العبادیہ جاریۃ المعتضد، بثینہ بنت المعتمد۔ زینب المریہ، حمدہ بنت زیاد، عائشہ بنت احمد القرطبیہ، مریم بنت ابی یعقوب الانصاری، ام الحسناء بنت القاضی عبدالحق، مہجۃ القرطبیہ صاحبۃ ولّادہ۔ ہند جاریہ الشاطبی، نزہون الغرناطیہ۔ ان کے علاوہ ولّادہ بنت الخلیفۃ المستکفی باللہ اموی کے حالات وواقعات بڑی تفصیل سے درج کیے ہیں

نظافت وطہارت

عربوں کے ہسپانیہ میں پاکیزگی، طہارت ونظافت اور صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا یہاں تک کہا گیا ہے کہ سامانِ آرائش وزیبائش، کھانے پینے، اوڑھنے اور بچھونے میں یہ لوگ سب سے زیادہ نظافت پسند اور پاکیزہ طبیعت کے مالک تھے۔ سید امیر علی کا بیان ہے:

"ہسپانیہ کے مسلمانوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لباس اور گھر کی صفائی میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ صاف ستھرا رہنے کی انھیں یہاں تک عادت تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ بھی اپنے آخری درہم کو روٹی

کی جگہ صابن پر خرچ کر دیتے تھے۔ وہ ایک وقت بھوکا رہنے کو میلے کچیلے کپڑوں میں دکھائی دینے پر ترجیح دیتے تھے۔"

تعلیمی حالت

اندلس کے ہر شہر میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، ایک مدرسہ ضرور ہوتا تھا۔ ہر بڑے شہر کی اپنی الگ یونیورسٹی ہوتی۔ ان میں سے قرطبہ، اشبیلیہ، سرقسطہ، مالقہ اور سلمنکہ کی یونیورسٹیاں بہت زیادہ مشہور تھیں۔ شہر قرطبہ میں مدارس ثانویہ کی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔ سب سے بڑی یونیورسٹی "مسجد جامع اعظم" تھی۔ یہی وہ جامعہ ہے جہاں سے حکیم ابن رشد، ابن سعد، ادریس، ابن بشکوال، ابن زہر ابن الطفیل، ابن حزم، ابن زیدون، المنصور، ابو القاسم اولین موجد طیارہ اور ابن عمار جیسے باکمال اور یگانہ روزگار افراد نکلے۔ اس جامعہ میں فلسفہ، طبیعیات، طب، قانون، فلکیات، الہیات، اور حدیث، و فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ صرف مسلم ہی نہیں بلکہ فرانس، جرمنی، اطالیہ اور انگلستان تک کے عیسائی طالب علم حصولِ تعلیم کے لیے یہاں آتے تھے۔ نصرانیت کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا "سلوسٹر" پاپائے روم نے اسی یونیورسٹی سے تعلیم پائی تھی۔

موسیو سدیو فرانسیسی کا کہنا ہے:

"جب تک تمام یورپ جہالت کی تاریکی اور ظلمت میں پھنسا ہوا تھا اس وقت عربوں کی آنکھیں انوار علم کی چمک سے کھل چکی تھیں۔ ممالک ہسپانیہ میں بڑے بڑے شاندار مدارس قائم تھے۔ ان سے بڑے بڑے باکمال اور ماہر مدرس پیدا ہوئے جن کی شاگردی کا فخر علمائے یورپ کو ہے۔"

ہسپانیہ کی عرب یونیورسٹیوں کے سالانہ اجتماع میں عام لوگوں کو شامل ہونے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس موقع پر یونیورسٹی پروفیسروں کی طرف سے خطبات پیش کیے جاتے۔ ہر کالج کے صدر دروازے پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہوتی تھی:

"دنیا چار باتوں پر قائم ہے۔ دانشمند کی دانش، حکمران کا عدل، نیک کی عبادت، اور سپاہی کی بہادری۔"

(جاری ہے)